۱

ہماری جامعات: سامراجی نقطۂ نظر کی پرورش گاہیں

ایس ایم محمد ادریس

میں کوئی عالم و فاضل نہیں بلکہ ایک کارکن ہوں جس نے اس دور میں پرورش پائی جب ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں نوآبادیاتی نظام کے ستائے ہوئے لوگ انصاف، آزادی، خودمختاری اور حریت کے لیے دلیرانہ جدوجہد کر رہے تھے۔

میں بھی اپنی نسل کے انہی سامراج مخالف لوگوں میں سے تھا، جن میں اس نظام کی مخالفت کے بیج اوائل عمری ہی میں بو دیے گئے تھے۔ یہاں میں ایک ذاتی تجربہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو آج بھی میرے ذہن میں تازہ ہے۔

پینانگ میں ایک اینگلو چائنیز اسکول میں جو کہ ایک مشنری اسکول تھا، میں نے اپنی انگریزی کی استانی مس مورٹون کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اسکول میں نیکر پہننے سے انکاری ہو گیا۔ میں اپنے اوپر اس قسم کی کوئی بھی پابندی عائد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ مس مورٹون کی ناراضی کے باوجود میں لمبے پاجامے ہی پہنتا رہا تاکہ مسلمانوں کے طرز لباس سے وابستہ رہ سکوں۔ مزاحمت کا یہ جذبہ میرے اندر اور میری نسل کے سامراج مخالف لوگوں میں اب بھی زندہ ہے۔

جب سامراجی نظام کا جھنڈا ''یونین جیک'' سرنگوں ہوا تو ہمیں اس بات کا یقین تھا اور ہم اس پر بہت خوش تھے کہ ہم نے خود کو صدیوں پرانے نوآبادیاتی نظام کے شکنجوں سے آزاد کرا لیا ہے اور اب ہم اپنی زبان، تہذیب، روایات اور نظامِ تعلیم پر فخر کرتے ہوئے دوسری اقوام میں سربلند اور ممتاز ہو

سکتے ہیں۔

یہ حقیقت کہ ہمارا یہ یقین سطحی اور غیر موزوں تھا، مجھ پر اس وقت آشکار ہوئی جب میں ۱۹۸۷ء میں کلاڈ آلویرز اور تھرڈ ورلڈ نیٹ ورک (Third World Network) کے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ کلکتہ کے دورے پر تھا۔ ہم کھانا کھانے کے لیے ایک ریستوران میں گئے لیکن مجھے محض اس بناء پر داخل ہونے سے روک دیا گیا کہ میں سارونگ (ملایا کے قومی لباس) میں ملبوس تھا۔ یہ میرے لیے بہت مایوسی کی بات تھی کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مس مورٹون ابھی بھی آس پاس ہی موجود ہیں حتیٰ کہ مہاتما گاندھی کی سرزمین پر بھی۔

ہم اس بات کا ادراک کرنے سے قاصر رہے کہ نوآبادیاتی نظام نے ہمارے معاشروں میں گہری جڑیں بنالی ہیں۔ اس نے نہ صرف ہماری سیاست و معیشت پر قابو پایا بلکہ یہ نوآبادیاتی نظام کے شکار لوگوں کے لیے اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ یہ ایک ایسی پرفریب قوت تھی جو ہماری زندگی کے ہر شعبے میں نفوذ کرگئی تاکہ ہمارے اوپر مکمل قابض ہو سکے۔

میرے ساتھیو! ہم میں سے یہاں موجود لوگوں میں سے کتنے اس روگ سے صحیح طریقے سے واقف ہیں جو ہمیں تکلیف دیتا ہے۔ اس کانفرنس میں جو کچھ بھی کہا اور کیا گیا ہے، اس کے برخلاف ہم میں سے کتنے لوگ بطور نمونہ اپنا قومی لباس زیب تن کرنا پسند کریں گے۔ ہم ایسا کرنے میں بہت شرمندگی محسوس کریں گے۔ ہمیں یہ بات خوفزدہ کیے دیتی ہے کہ یہ لباس قابل قبول نہیں ہوگا اور اس کی وجہ سے ہمیں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ یہ اس آزار کا خفیف سا درجہ ہے۔ اس سے بھی زیادہ سنجیدہ صورتحال یہ ہے کہ ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جلد کو گورا کرنے، پلکوں کو بھاری بنانے اور بالوں کو بھورا کرانے کے چکروں میں ہیں تاکہ خود کو ایشیائی باشندوں کے بجائے کوہ قاف کے نقلی باشندوں میں تبدیل کرسکیں۔

جھوٹ کا جال

نوآبادکار، اپنی جارحیت کے زعم میں، دنیا بھر میں اپنے نوآبادیاتی کارناموں کے لیے کسی بھی

قسم کی اخلاقی حدود و قیود سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ وہ جھوٹ کا ایک جال بنتے ہیں کہ ان کے محکوم لوگ بچگانہ، غیر مہذب اور مضحکہ خیز مخلوق ہیں جنہیں تہذیب یافتہ بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے بدترین واقعات بھی موجود ہیں جہاں انہوں نے مقامی لوگوں سے انسانیت سوز سلوک کیا اور ان کے خلاف نسل کشی کے مرتکب ہوئے۔

لارڈ میکالے-جس نے ہندوستان کا نظام تعلیم ترتیب دیا تھا- نے انتہائی نخوت سے یہ اعلان کیا کہ تمام تاریخی معلومات، جو سنسکرت زبان میں لکھی گئی تمام کتابوں سے لی گئی ہیں، کی قدر و قیمت ان ادنیٰ خلاصوں سے بھی کم ہے جو انگلستان میں ابتدائی مدارس میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ایک سفید جھوٹ ہے، کیونکہ یورپ نے اس امر کا اعتراف کیے بغیر (جیسا کہ وہ احیائے علوم کی تحریک سے یہ ذکر حذف کر دیتے ہیں) عربوں، ہندوستانیوں، چینی لوگوں اور امریکہ کے سرخ ہندی باشندوں کے وسیع ذخائر علمی سے بہت کچھ مستعار لیا ہے۔

نو آبادیاتی نظام تعلیم ان جھوٹی باتوں کو فروغ دینے کا ذریعہ تھا۔ اس کا مقصد منتظمین، کلرکوں، پیشہ ور افراد اور علمی اکابرین کی ایک ایسی کھیپ تیار کرنا تھا جو نو آبادیاتی نظام کو قائم رکھ سکے اور اس کا دفاع بھی کر سکے۔ ان کی تعلیم نے ان کی تاریخی و تہذیبی جڑوں کو کاٹ ڈالا اور مغربی رسوم، اقدار اور تصورات سے لا جوڑا، جو ان کے اندر پیوست کر دی گئی تھیں۔

اس بنیادی سماجی جوڑ توڑ کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے نو آبادیاتی ذہن رکھنے والی ادنیٰ تخیل کی حامل اور تخلیقی صلاحیت سے عاری مقامی اشرافیہ تیار کر دی۔ انہیں ایسی مسخ شدہ شخصیت بنا کر رکھ دیا جو خود اعتمادی، عزت نفس اور وقار سے عاری تھی۔ ان کا طرز زندگی، ذوق اور اقدار عام لوگوں سے کوسوں دور جبکہ اپنے نو آبادیاتی آقاؤں کے خاصا قریب تھا۔ ان کے بارے میں جیسا کہ لارڈ میکالے نے کہا کہ یہ ان لوگوں کی جماعت تھی جو رنگ اور نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی، ملائیشیائی، چینی یا افریقی تھے لیکن اپنی پسند و ناپسند، اپنی آراء، اخلاقیات اور ذہنیت کے اعتبار سے انگریز تھے۔

نو آبادکاروں کے چلے جانے کے بعد، اقتدار اس طبقے کے ہاتھوں میں آ گیا۔ انہوں نے

اداروں مثلاً سول سروس، عدلیہ، پولیس اور جامعات وغیرہ کا انتظام و انصرام سنبھال لیا۔ یہ طبقہ نوآبادیات ہی کی پیداوار تھا تاکہ وہ اس کے مفادات کا تحفظ کر سکے اور ان کے فلسفے اور نظریات کو نقصان پہنچائے بغیر اس پر عمل درآمد جاری رکھوا سکے۔

ہماری جامعات سامراجی تصورات کی پرورش گاہیں ہیں، وہ اپنے تعلیمی نمونوں کے ذریعے مغربی بالادستی کو دوام بخشتی ہیں جو کہ ہماری تہذیب، زبان، طرز زندگی، نظام تعلیم اور عظمت کے لیے تباہ کن ہے۔

حقیقی آزادی حاصل کرنے اور خود اپنی حقیقت سے روشناس ہونے کے لیے ہمیں خود کو اس مغربیت سے پاک کرنا ہوگا جو ہمارے اندر سرایت کر چکی ہے۔ جیسا کہ اشیس نندی اور دوسرے لوگوں نے اپنی کتاب The Blinded Eye: 500 years of Christopher Columbus میں لکھا ہے:

''اندرونی کولمبس، بیرونی کولمبس کی نسبت زیادہ بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کی سائنس، اس کی معیشت، فطرت کی طرف اس کے رویے، جنس اور صحت کے متعلق اس کے نظریات، دوسروں کے متعلق اس کے نقطۂ نظر اور ان کی زبانوں نے ہمارے اندر گہری جڑیں بنا لی ہیں۔ ان چیزوں کو جڑوں سے نکال پھینکنا یقیناً تکلیف دہ امر ہوگا لیکن ایسی کوئی مجبوری بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس بنیادی کام کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچایا جائے۔''

اپنے آپ کو اندرونی کولمبس سے نجات دلانے کے مشن پر عمل پیرا ہونے کے لیے ''سٹیزنز انٹرنیشنل'' نے بعض دیگر اداروں کے ساتھ مل کر تدریس و تحقیق کے موضوع پر تین بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کی ہیں۔ ہم نے نصاب کی ازسرنو تشکیل اور بالادستی کے مسائل پر بھی تبادلہ خیال کیا۔ نظریاتی اور عملی اعتبار سے ہم ایسی علمی دنیا کا حصہ نہیں بننا چاہتے جہاں ہمارا کردار محض ثانوی اور نقالوں کا سا ہو۔

اس کانفرنس میں، جو کہ جامعات کو نوآبادیات سے پاک کرنے کے موضوع پر پہلی کانفرنس تھی،

نصاب کو یورپی اثرات سے - خواہ وہ نظریاتی ہوں یا طریقہ کار سے متعلق - آزاد کرانے پر غور کیا گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم استعماریت کے خاتمے کی نشاندہی کے لیے قابل اہل علم حضرات کو مدعو کریں گے تاکہ وہ نصاب کے متعلق اپنے غیر یورپی تصورات کے بارے میں تبادلہ خیال کر سکیں کہ یہ نصاب کیسے معلوم ہوتے ہیں، کیا یہ مستند ثابت ہوں گے اور کیا یہ سوشل سائنس کے تناظر میں ایسی بنیاد ثابت ہوں گے جو یورپی تصورات کے رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہو۔

کیا ہم اس سمت میں مزید پیش قدمی کر سکتے ہیں اور ان سوشل سائنسز کو جو ہمارے لیے بے کار ہیں اور ہماری اقدار اور مذہبی روایات سے لگا نہیں کھاتیں، نصاب میں شامل یا خارج کرنے کی آزادی حاصل کر سکتے ہیں اور خود اپنے لیے نئی سوشل سائنسز ترتیب دے سکتے ہیں؟

آیئے، خود اپنے ساتھ دیانتدار ہو کر سوچیں، یا تو ہمیں اس عزم و ہمت کا مظاہرہ کرنا ہوگا کہ ہم سماجی اعتبار سے اپنے لیے فائدہ مند سائنس ایجاد کر سکیں یا ہمیں سماجی سائنس کی اندھا دھند تقلید بند کرنا ہوگی۔ کچھ یہاں اور کچھ وہاں سے مستعار لے کر ایک ایسا ملغوبہ تیار ہوگا جو کسی کو بھی متاثر نہ کر سکے گا اور درحقیقت بے معنی ہوگا۔

ہم اپنے ورثے کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کہ خطرے میں ہے۔ ہم ان بیڑیوں کو جو کہ ہمیں باندھ کر غلام بنائے ہوئے ہیں ہٹائے بغیر مکمل طور پر آزاد اور خودمختار نہیں ہو سکتے۔

اگر میکالے نے اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ترجمان تیار کیے تھے تو آپ میں سے آگاہی اور علم رکھنے والے تمام افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس کنٹرول کا رخ بدلنے کے لیے قیادت کریں اور اس کام کو شروع کرنے کی اولین جگہ ہماری جامعات کے اندر ہے۔

حتیٰ کہ ہماری جامعات میں بھی ایسی تبدیلیاں لانے کی کوشش کو ایک انتہاپسندانہ مشق گردانا جائے گا۔ ہماری نفسیات میں مغرب کا اثر ونفوذ اس قدر زیادہ ہے کہ اس سے ہٹ کر سوچنا ایک ناقابل تخیل بات ہے۔ اس ڈر سے کہ ہم غربت اور پسماندگی کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ سوچنا تو ایسا ہے جیسے نوآبادیاتی نظام کے آنے سے پہلے کوئی تہذیب موجود ہی نہیں تھی۔

تبدیلی آ سکتی ہے، اگر آپ ذرائع ابلاغ پر نظر دوڑائیں۔ کئی عشروں تک ہر کوئی یہی شکایت کرتا تھا کہ دنیا کے ذرائع ابلاغ پر چند ایک مغربی ایجنسیاں قابض ہیں۔ الجزیرہ نے اس قبضے کو کسی حد تک توڑ ڈالا اور سماجی واقعات کو دیکھنے کا ایک بالکل مختلف، زیادہ پرکشش اور زیادہ مبنی بر حقیقت انداز متعارف کروایا۔

بہارِ عرب (Arab Spring) کے غنچوں پر بھی نظر دوڑائیں۔ ایک طویل عرصے تک ہمارا خیال تھا کہ آمریت اور استبداد عرب دنیا کی مستقل حالت ہیں۔ ظلم کے شکنجے کو توڑ پھینکنے کی جرات دکھانے سے عربوں میں انقلاب آئے گا بالکل اسی طرح جیسا کہ ترکوں نے عسکری تسلط سے نجات کے لیے پیش قدمی کی تھی۔

بین الاقوامی اداروں — جیسا کہ اقوام متحدہ کے تعلیمی، سائنسی وثقافتی ادارے (UNESCO) — پر ایک مقدس فرض عائد ہوتا ہے جسے کوئی اور ادا نہیں کرسکتا۔ یہ فرض ہے تہذیبوں کی حفاظت، انسانیت کے وسیع تنوع کی حفاظت، اس کی زبانوں، اس کے روایتی علوم اور مہارتوں کی حفاظت کا۔ یونیسکو اس دوڑ میں شامل نہیں ہوسکتا کہ تہذیبوں کا ادغام ہو اور ان متنوع تہذیبوں کو کچل کر ایک ہی برتر بھاری بھر کم عالمگیر تہذیب کی حکمرانی ہو جو دوسری تہذیبوں کا احترام نہیں کرتی۔ یونیسکو کو اس امر کو یقینی بنانا چاہیے کہ سماجی سائنس بھی اسی قدر متنوع رہے جتنی خود انسانیت ہے اور اس امر کو بھی کہ تہذیبیں اور ان کے علوم یقینی طور پر محفوظ اور سلامت رہیں۔

[ایس ایم محمد ادریس ''سٹیزنز انٹرنیشنل'' کے سربراہ ہیں جنہوں نے سائنس یونیورسٹی، ملائیشیا کے تعاون سے ''اپنی جامعات کو استعماریت سے پاک کرنا'' کے موضوع پر جون ۲۰۱۱ء میں پینانگ، ملائیشیا میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ وہ ملائیشیا کے ماہانہ میگزین Third World Resurgence کے چیف ایڈیٹر اور Third World Network کے بھی سربراہ ہیں۔]

(ترجمہ: جویریہ اعظم / رمزہ صدیقی)

Source: Third World Resurgence No. 266/267, October/November 2012, pp 14-15